سے لی اور قومی اور اجتماعی کاموں میں دیوانہ پن مولانا محمد علی مرحوم سے سیکھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ جامعہ انگریزی تعلیم کی اصلاح و ترقی کی ایک پسندیدہ اور خوشنما عملی شکل ہے۔ چنانچہ یہاں کے اساتذہ اور طلبا، دونوں نہایت سادہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ منکسر المزاج اور متواضع ہوتے ہیں کفایت شعاری اور قناعت پسندی ان کا خاص جوہرِ کمال ہے۔ حقائق پر سنجیدگی اور متانت سے غور کرنے کے خوگر ہوتے ہیں۔ جذبات کو عقل پر غالب نہ آنے دینے کی اخلاقی جرأت رکھتے ہیں۔ قومی زبان۔ قومی کلچر اور قومی لٹریچر سے انھیں دلچسپی ہوتی ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بقول شیخ الجامعہ کے انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اُن کی ذہنیت غلامانہ یا کم ازکم مرعوبانہ نہیں ہوتی، یہ سب وہ بلند پایہ صفات و کمالات ہیں جن سے ہماری تعلیم جدید کی درسگاہیں عموماً تہی مایہ ہیں اور اس حیثیت سے بے شبہ جامعہ ملیہ نے پچیس سال کی مدت میں جو کام کر دکھایا ہے وہ ہر سمجھدار اور بالغ نظر مسلمان کی مبارکباد کا مستحق ہے۔

لیکن بیجا نہ ہوگا اگر ہم اس موقع پر اربابِ جامعہ کو یہ یاد دلائیں کہ مولانا محمد علی اور حکیم اجمل خاں مرحوم کے قلب و دماغ کی انگیٹھی جس آتشِ ایمان و عمل سے فروزاں تھی وہ حضرت شیخ الہند کے قلب تپاں کی حرارتِ اسلامی ہی کی ایک چنگاری تھی۔ اس لئے ان دونوں بزرگوں سے زیادہ ضروری اور مقدم یہ بات ہے کہ اصل سرچشمۂ فیض کو سامنے رکھا جائے اور اپنے ارادوں اور کاموں میں اسی ایک نقشِ قدم پر چلا جائے۔ سادگی، حُسنِ خلق، تواضع، قناعت کیشی، کفایت شعاری۔ حریت طلبی علمی اور ادبی کام، لٹریچر سے دلچسپی اور اس میں اضافہ و ترقی کی کوشش یہ سب بلند پایہ اور لائق صد تحسین اوصاف و کمالات ہیں۔ لیکن اگر ان اوصاف کی بنیاد "نیست ممکن جز بقرآن زیستن" کے یقین محکم پر قائم نہیں ہے تو پھر اسلام کی طرف سے ان اوصاف پر کوئی مبارکباد پیش نہیں کی جا سکتی، کیونکہ جہاں تک ان اوصاف کا تعلق ہے دوسری قوموں میں اس قسم کے نمونے بلکہ شاید زیادہ بلند پیمانہ پر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ اسلامی تصورِ زندگی کی اصل روح اسلامیت ہے قومیت نہیں۔